وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ:۱۹۶)

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے

کی آسان اور مفید ترتیب

مصنف

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ

خلیفۂ ارشد

حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: ادارہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور

نامِ کتاب	:	حج کی آسان اور مفید ترتیب
مصنف	:	حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ
اشاعت باراول	:	۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء
اشاعت بارسوئم	:	۱۴۳۶ھ / ۲۰۱۵ء
تعداد	:	ایک ہزار
ناشر	:	ادارہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور
قیمت	:	۲۰ روپے
ملنے کا پتہ	:	ادارہ اشرفیہ عزیزیہ.P.O باکس نمبر۱۰۱۵، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔
ویب سائٹ	:	www.darwaish.org
ای میل	:	physiologist72@yahoo.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ایک دوست ملنے کے لئے تشریف لائے۔ باتوں باتوں میں تذکرہ آگیا کہ ہائی کورٹ کے دو جج صاحبان حج کے لیے گئے تھے، واپسی پر کسی نے ان سے حج کے تأثرات پوچھے جس پر انہوں نے انتہائی مغلّظ گالی گلوچ کی شکل میں تبصرہ کیا۔ اس پر بندہ کو بہت دکھ ہوا اور ایک تعبدی (عبادت والے) عمل کے بارے میں ایسی سطح کے لوگوں کا اِس طرح کا بیان دینا دل کے مسخ ہونے کی اور ایمان کے سلب ہونے کی علامت تھی۔ اتفاق سے اس سال ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۴ء بندہ کا حج پر جانا ہوا۔ گرد و پیش کا حال دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بعضے ممالک کے لوگ تو فرض اور سنت پڑھتے ہی مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی سے باہر نکل جاتے ہیں اور ٹولیوں کی شکل میں بیٹھ کر مجلسیں گرم کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ نہ دین کی تعلیم رکھتے ہوں اور نہ دنیا کی تعلیم تو انھوں نے سوائے فضولیات اور لایعنی باتوں کے اپنی مجالس میں اور کیا بحث کرنی ہے! گویا مسجد میں بیٹھ کر ذکر و فکر اور تلاوت وغیرہ کی کوئی عادت ہی نہیں۔ ان سب حالات کو دیکھ کر طبیعت غور کرنے کی طرف مائل ہوئی اور یہ بات ذہن میں آئی کہ دورانِ حج، مناسکِ حج کے مختصر اعمال اور پانچ فرض نمازوں کے علاوہ کوئی خاص اعمال مقرر نہیں ہیں۔ مناسکِ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جن اعمال کی یادگار ہیں ان اعمال کے پیچھے جو جذبات، احساسات اور فکر ہے اس کی معلومات اور ان کی ادائیگی کے وقت اس کا دھیان نہ ہونا جدید سوچ والے ذہن کے لیے ان کے فوائد کو نہ سمجھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ چنانچہ جس آدمی

کی اپنی جگہ پر ذکر وعبادت اور دعا کی عادت نہ ہوئی ہو اس کا یہ وقت ضائع ہو جاتا ہے۔

حج کے بارے میں مسائل اور مناسک کی بہت بلند پایہ کتابیں موجود ہیں مثلاً حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کی ''زبدۃ المناسک'' اور حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی ''احکامِ حج''، اور فضائل کے بارے میں حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ کی ''فضائلِ حج'' وغیرہ۔ کچھ خوش قسمتوں کو ان کے پڑھنے کی توفیق ہو جاتی ہے۔ بندہ کو ایک ایسی تحریر لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی جس میں حاجی کو ایک لائحہ عمل بنا کر دیا جائے اور اس سے اس بات کا مطالبہ کیا جائے کہ دورانِ حج اس لائحہ عمل سے گزر کر اور ان اعمال کی مشق کر کے اس نے اپنے آپ کو بنانا (Reform کرنا) ہے اور یہ سفر صرف سفر نہیں بلکہ اپنی تربیت کا ایک دورانیہ ہے، جس کے ہر گھنٹے اور منٹ کو استعمال کرتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

حج کے سلسلے میں علاوہ مناسک کے جن اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں سب سے پہلے ہم درجِ ذیل آیت کو لیتے ہیں:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (البقرہ:۱۹۷)

(ترجمہ) حج میں نہ کوئی فحش بات (جائز) ہے، نہ کوئی بے حکمی (درست) ہے، نہ کسی قسم کا نزاع (جھگڑا) زیبا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں منفی اعمال کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ درحقیقت ہر چیز کے بارے میں جیسے مثبت باتوں کو حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے ایسے ہی منفی چیزوں کا ترک بھی واجب ہوتا ہے، تب ہی اس کا پورا فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ علاج کے ساتھ پرہیز مقرر ہے اور اگر پرہیز نہ ہو تو علاج فائدہ نہیں دیتا۔ اس آیت میں رفث، فسوق اور جدال تین لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ان میں سے فسوق کا لفظ ایسا ہے کہ جو اپنے معنی میں رفث اور

جِدال دونوں کو لیے ہوئے ہے پھر بھی لفظ رَفَث اور جِدال کو علیحدہ کر کے بیان کیا گیا تا کہ ان کی اہمیت واضح ہو۔

لفظ ''رَفَث'' جنسی (Sexual) رُخ کی ساری کوتاہیوں کو شامل ہے۔ جس میں آنکھ کا غیر محرم کو دیکھنا، کانوں کا ان کی آوازوں کو مزے کے لیے سننا، ناک کا ان کی خوشبوؤں سے لطف اندوز ہونا، زبان کا جنسی چسکوں کا تذکرہ کرنا، ہاتھ پیر یا جسم کے کسی دوسرے حصے کا جذباتِ شہوانیہ سے عورتوں کو چھو لینا اور دل کا ان کی طرف اشتہا کرنا، اس سے آگے بڑھ کر جنسی (Sexual) رُخ کے سارے عملی اقدامات شامل ہیں۔ حج میں ساری دنیا کا مالدار طبقہ جمع ہوتا ہے گویا پوری دنیا کا حسن و جمال یہاں جمع ہو جاتا ہے۔ حج کے دوران پورا وقت اس بات کی مشق کرنی ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا کسی بات میں حاجی ملوث نہ ہونے پائے۔ اپنے باطن پر نگاہ رکھنی چاہیئے، اگر طبیعت ان باتوں کی طرف مائل ہو رہی ہو تو حاجی کو سمجھ لینا چاہیئے کہ باطن کتنا کمزور ہے اور اصلاح کی کس قدر ضرورت ہے۔ اپنی اس کمی کا غم ہو اور اصلاح کی فکر ہو۔ پورے حج میں نفس پر جبر کر کر کے اپنے آپ کو ان ساری باتوں سے روکا جائے۔ کاملین مشائخ کو ڈھونڈ کر ان کے پاس بیٹھا جائے تا کہ باطن کی ظلمت چھٹے اور باطن میں نور داخل ہو اور نفس کے یہ منفی جذبات بدلیں۔ اگر اس سے جذباتِ شہوانیہ پر قابو نہ ہو تو مرغن و مقوّی غذا (گوشت انڈا وغیرہ) سے پرہیز کر کے نیز کثرت سے روزے رکھ کر شہوت کو توڑا جائے، تا کہ ان ایام میں باطن میں سکون رہے اور ''رفث'' کی ساری صورتوں سے بچنے کے حالات ہوں۔ جوں ہی آنکھ غیر محرم پر پڑے فوراً جھکا دے۔ غیر محرم کی جو تصویر قلب پر آئی ہو متبادل خیال میں مصروف ہو کر اس کو قلب سے دھویا جائے۔ اگر حال سدھر نہ رہا ہو تو

مشائخ کاملین کو ڈھونڈ کر اور اپنا حال عرض کر کے اس کو درست کرنے کا مشورہ لیا جائے۔

دوسری بات "وَلَا فُسُوْقَ" ہے۔ اس میں سارے گناہ داخل ہیں۔ ظاہر ہے کہ گناہ تو ہر وقت کرنا ناجائز ہے لیکن خاص خاص مقامات پر گناہ کرنا ان کی شدت کو اور زیادہ کر دیتا ہے۔ اس لیے دورانِ حج اور خاص طور سے دورانِ احرام تمام گناہوں سے سختی سے بچا جائے۔ نفس کی یہ عادت ہے کہ اگر اسے دلاسہ دے کر اس بات پر راضی کر لیا جائے کہ یہ پابندی تھوڑے وقت کے لیے ہے تو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر جیسے حکومتی اداروں کی طرف سے ہفتۂ صفائی، ہفتۂ خوش اخلاقی وغیرہ منائے جاتے ہیں، اس میں سارا عملہ کوشش کرتا ہے کہ ایک ہفتے تک اپنے آپ کو ان چیزوں کا پابند کرے۔ نفس کی یہ خصوصیت ہے کہ کچھ دن کسی چیز کی پابندی کر لے تو اس کی عادت بن کر اس کے لیے وہ چیز آسان ہو جاتی ہے۔ اس لیے حج کا پورا دورانیہ مسلسل اس مشق میں گزارنا ہوتا ہے کہ اس دوران کوئی صغیرہ و کبیرہ گناہ سرزد نہ ہو۔ اس پابندی سے حج بھی "حجِ مبرور" (قبول حج) بنتا ہے اور آئندہ کے لیے نفس بھی مطیع اور منقاد (ماننے والا) ہو جاتا ہے۔

تیسری بات "وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ" ہے یعنی حج میں لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔ حاجی ساری دنیا سے انتہائی لمبے سفر کر کے پہنچتے ہیں جس کی وجہ سے بہت زیادہ تھکے ماندے ہوتے ہیں۔ جدّہ پہنچ کر کسٹم اور امیگریشن کے عملے کی طویل چیکنگ سے گزرنے کی وجہ سے مزاج انتہائی چڑچڑا ہو جاتا ہے۔ ہر آدمی کی اپنے علاقے میں ایک حیثیت ہوتی ہے لیکن حج میں ساری حیثیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، علاقے کی ساری قدر و منزلت وہیں رہ جاتی ہے۔ انتہائی رش کی وجہ سے ٹھوکر لگ جانا، پاؤں پر پاؤں آ جانا، کسی

دوسرے کا آگے بڑھ جانا وغیرہ، ساری باتیں جھگڑے پر اُبھارتی ہیں۔ حضرات کاملین تو جب ایسے حالات میں اپنے نفس میں جھگڑا اور جدال کی کیفیت محسوس کرتے ہیں تو ان کو اپنے اندر کمی کا شدت سے احساس ہوتا ہے، اللہ کا شکرادا کرتے ہیں کہ اپنے نفس کی کمی اور نقص پر آگاہی ہوئی۔ ان کو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے علاقوں میں جس خوش اخلاقی اور نرمی کا مظاہرہ ہم کرتے تھے وہ تو اس وجہ سے تھا کہ گردوپیش کے سارے لوگ اکرام اور احترام کا رویہ رکھتے تھے لہٰذا اپنی طرف سے بھی ان کے ساتھ خوش اخلاقی اور نرمی کا رویہ ہوتا تھا۔ خوش اخلاقی اور نرمی تو تب معلوم ہو جب ایسے سخت حالات میں بھی اس پر قائم رہیں کیونکہ اللہ کی رضا کے لیے تو ان باتوں کا برتنا اس اجنبی ماحول میں ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس پر کوئی واہ واہ ہونے اور معاوضہ ملنے کی امید نہ ہو۔ اس لیے اس پورے سفر میں اپنے نفس کی شدت کے ساتھ نگرانی کرنی ہے اور اس کو زبانی و عملی جدال سے روکنا ہے۔

ان منفی باتوں کے بیان کے بعد مثبت اعمال کی طرف آتے ہیں۔

<u>پہلی بات پورے حج کے سفر کو کثرتِ ذکر کے ساتھ آباد رکھنا۔</u> ذکر ایسا عمل ہے کہ قرآن وحدیث میں سب سے زیادہ اس کے فضائل آئے ہیں۔ ہر حال میں ذکر کرنے کی تاکید آئی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ (اٰل عمران: ۱۹۱)

(ترجمہ) وہ لوگ اللہ تعالٰی کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی۔

دراصل انسان کی یہی تین حالتیں ہیں۔ تو اس سے مراد ہر حال میں ذکر کرنا ہے۔ نیز

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (احزاب: ۴۱)

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔

فرما کر ذکر کی کثرت کی تاکید کی گئی ہے، باوضو بے وضو حتیٰ کہ ناپاک حالت میں بھی (درود شریف، استغفار اور قرآن کی دعاؤں کا دعا کی نیت سے) ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ہر عبادت کی کوئی حد اور تعداد مقرر فرمائی گئی ہے لیکن ذکر کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ ذکر سے دل میں وہ روشنی اور نور پیدا ہوتا ہے جس سے سارے اعمال میں رونق پیدا ہو جاتی ہے، یہ سارے اعمال کی جان ہے، اس کے بغیر باطن کی صفائی، باطن کا نور اور اخلاص کا حصول مشکل ہیں۔ حدودِ حرم میں ایک نیکی کا بدلہ ایک لاکھ نیکی ہے گویا آدمی ایک سونے اور ہیرے کی کان میں پہنچا ہوا ہے اور کھود کھود کر نکالنے کا محدود وقت ہے، جس کا ایک منٹ بھی ضائع ہونے سے عظیم نقصان اور خسران ہے۔ چنانچہ زبان کو تو ہر وقت ذکر میں ہلتے ہی رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۖ وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ۝ ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا ؕ

(البقرہ: ۱۹۸ تا ۲۰۰)

(ترجمہ) ''پھر جب طواف کے لیے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اُس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بیشک تم تھے اس سے پہلے ناواقف، پھر طواف کے لیے پھرو جہاں سے سب لوگ پھریں، اور مغفرت چاہو اللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان۔ پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو تو یاد کرو

اللہ کو جیسے تم یاد کرتے تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔''

دوسری بات کثرتِ نوافل ہے۔ تہجد، اشراق، چاشت، اوّابین، تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد، عصر وعشاء کی چار چار غیر مؤکدہ سنتیں، صلوٰۃ التسبیح وغیرہ سب رحمت اور ثواب کے لحاظ سے لوٹ مار کے خزانے ہیں، اس سفر میں خوب لوٹ مار کرلیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بیت اللہ شریف پر ہر وقت ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں، جن میں سے ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں پر اور چالیس وہاں نماز پڑھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں اور بیس رحمتیں بیت اللہ شریف کو دیکھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں، اس لیے ذکر اذکار کرتے ہوئے بیت اللہ شریف کو دیکھ دیکھ کر ان بیس رحمتوں سے استفادے کی نیت بھی ہونی چاہیئے۔

تیسری بات کثرتِ تلاوت ہے۔ دورانِ نماز حالت قیام میں تلاوت کے ایک ایک حرف کا ثواب ایک سو نیکی ہے۔ بیٹھ کر نماز میں پچاس نیکی ہے، باوضو پڑھنے سے پچیس نیکی ہے اور بے وضو زبانی پڑھنے کی دس نیکیاں ہیں۔ جبکہ حرم شریف میں ایک نیکی کا بدلہ ایک لاکھ نیکی کے برابر ہے اس لیے اس سفر میں کثرتِ تلاوت کی انتھک کوشش کرنی چاہیئے۔

چوتھی بات کثرتِ دعا ہے۔ حجاج اور مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کا وفد ہونے کا اعزاز دیا گیا ہے اور یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں عطا کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ مقدس مقامات کو قبولیتِ دعا کے ساتھ خاص مناسبت ہے چنانچہ پوری مسجد نبوی، اس کے استوانے، محراب ومنبر رسول ﷺ اور مواجہ شریف قبولیتِ دعا کے خاص مقامات ہیں۔ مکہ مکرمہ میں مطاف، مقامِ ابراہیم، زمزم کا کنواں، صفاو مروہ کی

پہاڑیاں، سعی کی جگہ، حطیم، میزابِ رحمت، ملتزم اور بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑنے کے وقت نیز منیٰ، مزدلفہ، عرفات ساری جگہیں دعا کی قبولیت کے مقامات ہیں۔ اپنے لیے، اپنے خاندان اور دوستوں کے لیے اور ساری امت کے لیے خوب دل لگا کر دعا مانگنی چاہیئے اور کچھ اوقات کو لمبی دعا مانگنے کے لیے فارغ رکھنا چاہیئے۔ دعا کو مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی عبادت کا مغز کہا گیا ہے۔ دعا کے دوران مکمل اور مسلسل دھیانِ الٰہی طاری رہتا ہے، اپنے فقر اور عاجزی کا احساس ہوتا ہے۔ جب دعا کے ذریعے مسئلے حل ہوں تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ وابستگی حاصل ہوتی ہے اور اعتمادِ کامل نصیب ہوتا ہے۔ چنانچہ دعا محض اپنے مسائل کے حل کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ اللہ کے قرب اور معرفت کا دروازہ ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس سفر میں دعاؤں کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔

پانچویں بات مراقبہ ہے۔ جو لوگ تصوف کے تربیتی نظام سے گزرے ہوئے ہیں ان کی تو مراقبہ کی خاص تربیت ہوئی ہوتی ہے۔ عامی آدمی کو یوں سمجھ لینا چاہئے کہ مراقبہ دھیان جمانے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے احوال کا دھیان جمانا تو ہر کوئی کر سکتا ہے۔ یہ دھیان جما کر بیٹھنا کہ اللہ تعالیٰ حاضر ہے، ہمیں دیکھ رہا ہے، ہمارے ساتھ ہے، مراقبہ کہلاتا ہے۔ پانچ، دس منٹ، پندرہ منٹ آدھا گھنٹہ اس کی مشق کر کے آدمی دیکھے تو عجیب حالات محسوس ہوں گے۔ یہ چیز باطن کی صفائی اور یقین کی پختگی میں خاص کردار ادا کرتی ہے۔

چھٹی بات خدمتِ خلق ہے۔ حج میں خدمت خلق کے بہت وسیع مواقع ہوتے ہیں۔ بیمار حاجیوں کی تیمارداری، ان کو ہسپتال تک لے جانا، بھولے بھٹکے حاجیوں کو جگہ تک پہنچانا، جن کے پاسپورٹ ٹکٹ وغیرہ گم ہو گئے ہوں ان کی مدد کرنا، کمزوروں اور

ضعفاء کی سواری پر چڑھتے اترتے مدد کرنا، چلتے پھرتے ان کو سہارا دینا، اس کے سنہری مواقع ہاتھ آتے ہیں۔ آدمی نوافل اور طواف کی مشقتوں سے تھکا تھکایا نکلتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ اپنی جگہ پر پہنچتے ہی چار پائی پر گر جائے کہ اتنے میں سامنے سے کوئی بوڑھا مرد یا عورت آجاتی ہے اور فریاد کرتے ہیں کہ ہم سے اپنی جگہ گم ہوگئی ہے، اب اپنی تھکاوٹ اور آرام کو قربان کر کے ان کو جگہ تک پہنچانا نفس کو بہت گراں گزرتا ہے لیکن جو آدمی نفس کی خواہش کو کچل کر اس بات کو کر گزرتا ہے وہ کندن (انتہائی خالص سونا) بنتا ہے اور اس کے لیے قربِ الٰہی اور ولایت کے دروازے کھلتے ہیں۔

درد دِل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ؎

ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں (کروبیاں: فرشتے)

دراصل ہم لوگ حج میں بھی افسری، نوابی اور چودھراہٹ کے مزے لینا چاہتے ہیں اور اس بات کی ہماری قطعاً نیت نہیں ہوتی کہ میں گُوہ اور غلاظت سے بھری ہوئی بوری اور بدبو اور تعفن کا لاشہ بھی تو آخر کبھی دوسروں کو سُکھ پہنچانے کا سوچ لوں۔ صرف یہی بات ذہن میں نہ رکھے رکھوں کہ باقی لوگ ہی میرے آگے پیچھے ہوتے رہیں گے۔

ہائے افسوس جب تک اپنے آپ کو مٹائے گا نہیں تیرا حج کس کام کا ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے

کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

حافظا! گر بت شکستی خوش مباش

خود پرستی کمتر از اصنام نیست

(ترجمہ) اے حافظ! اگر تو نے بت توڑ دیا ہے تو اس پر خوش مت ہو

کیونکہ خود پرستی بتوں سے کم نہیں ہے۔

اس کے بعد حج کے پانچ ایام کی طرف آتے ہیں جن میں مناسکِ حج ادا کیے جاتے ہیں۔ایک تو اِن مناسک کی ظاہری صورت ہے اور ایک ان کی ابتداء اور تاریخ ہے اور اس کی وجہ سے ان مناسک کے ساتھ خاص سوچ اور جذبات و احساسات متعلق ہیں۔اگر مناسکِ حج کی ادائیگی پوری توجہ اور احساسات کے ساتھ ہو تو حج کے ظاہری، باطنی اور روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۸ ذوالحجہ کو حاجی منیٰ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔آٹھ تاریخ کا پورا دن منیٰ میں گزرتا ہے۔اس کے بعد ۱۰، ۱۱، ۱۲ تاریخ کے ایّام بھی منیٰ میں گزارے جاتے ہیں۔اس عمل کے پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یادگار ہے، جب کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اولاد کی محبت کے مشکل ترین جذبے کو اللہ کے حکم پر بیٹے کی گردن پر خود اپنے ہاتھ سے چھری پھیر کر قربان کر دیا۔گو اللہ تعالیٰ کے امر سے وہ ذبیحہ بچے کے بچ جانے اور دنبہ کے ذبح ہونے کی صورت میں ظاہر ہوا لیکن ذبح کرنے والے نے تو آنکھیں بند کیے ہوئے گویا اپنے جگر گوشہ کی گردن پر چھری چلا ہی لی۔اللہ تعالیٰ بھی اس جذبۂ محبت کو قربان کروانا چاہتے تھے، بچے کو قربان نہیں کروانا تھا۔تو منیٰ کے اس مقام کے ساتھ اس ذبحِ عظیم کی یادیں وابستہ ہیں۔یہاں کے قیام کے دوران ان جذبات و احساسات اور سوچ کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔

جس جگہ کوئی خاص عمل ہوا ہو، اچھا یا برا، وہ زمین اور وہ فضاء اس عمل کے رحمت یا زحمت کے اثرات کو اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہوتی ہے۔یہ اثرات وہاں سے تھوڑی دیر کے لیے گزرنے والے پر بھی آتے ہیں، چنانچہ غزوۂ تبوک کے سفر میں قومِ

عاد وثمود کی بستیوں سے گزرتے ہوئے حضور ﷺ نے جلدی سے گزرنے کا حکم فرمایا تاکہ اس عذاب والی جگہ کی نحوست کی فضاء کا کم سے کم اثر آئے۔ عرفات اور مزدلفہ کے درمیان وادیٔ محسر ہے جہاں پر ابرہہ کا ہاتھیوں کا لشکر تباہ ہوا تھا۔ اس کے بارے میں بھی حکم ہے کہ وہاں سے جلدی جلدی گزرا جائے۔

پرانے واقعات میں ہے کہ ایک دفعہ شاہ ابوالمعالیؒ، شاہ دولہؒ سے ملنے کے لئے گجرات تشریف لے گئے تو انھیں معلوم ہوا کہ حضرت لاہور کے پاس رائے پِنڈ نامی ایک بستی میں تشریف لے گئے ہیں۔ وہاں پہنچنے پر پتہ چلا کہ وہ ایک بیابان سی جگہ پر مراقب ہیں۔ ملاقات پر انھوں نے فرمایا کہ اس جگہ عجیب وغریب انوارات کا نزول ہو رہا ہے جن سے فیض یاب ہونے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آجکل رائیونڈ کا تبلیغی مرکز ہے، تو اس جگہ ایک عمل کے وجود میں آنے سے صدیوں پہلے اِدراک والی شخصیت کو انوارات محسوس ہو رہے تھے۔

(روایت حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب مرحوم سابق امیر رائے ونڈ)

حضرت سید احمد شہیدؒ ایک ایسی جگہ سے گزر رہے تھے جہاں سارے قصبے کا کوڑا کرکٹ پھینکا گیا تھا۔ آپؒ نے فرمایا کہ اس جگہ سے علم کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں تقریباً پچاس سال بعد دارلعلوم دیوبند بنا۔ دراصل ایسی جگہوں پر انوارات کی بارش ہوتی رہتی ہے جو ادراک والوں کو محسوس بھی ہوتی ہے، قلب کا فیض یاب ہونا اور روح کا روحانی عروج حاصل کرنا وہ محسوس کرتے ہیں۔ ہماری طرح لوگ جو محسوس نہ بھی کرتے ہوں، بہرحال قلبی فیوض اور روحانی عروج ان کو بھی ہوتا ہے، صرف طلب، قدر، دل کی حاضری اور دھیان کی ضرورت ہوتی ہے۔

ان واقعات کی روشنی میں ابراہیم علیہ السلام کے ذبحِ عظیم کے عمل کے بے پناہ انوارات کی بارش منیٰ میں ہو رہی ہوتی ہے اور یہاں قیام کرنے والے حاجی گویا اس رحمت میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ بار بار اس قربانی کو دھیان میں لا کر اور اس منظر کو فکر میں سجا کر اپنے آپ کو اس کے لئے تیار رہنے کی دعوت دینا ہوتی ہے۔

منیٰ میں جو بڑا عمل ہے وہ رمی جمرات یعنی شیطانوں کو کنکریاں مارنا ہے۔ شیطان کوئی نفسیاتی خیال یا روحانی کشمکش کا نام نہیں ہے بلکہ ایک معین مخلوق کا نام ہے جو اپنی ابلیسی قوت کے ذریعے ہر حق بات اور نیکی کی مخالفت کرتا ہے اور جیسے آج کل ہپناٹزم، مسمریزم اور ٹیلی پیتھی کی قوتیں ایک منظّم سائنس بن چکی ہیں ایسی ہی قوت سے وہ منفی خیالات کو دل میں ڈال کر مثبت خیالات کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ کشمکش باطن میں اس حد تک جاتی ہے کہ جیسے ظاہری دشمنیوں میں ایسے حالات ہو جائیں کہ جس کے نتیجے میں غصے اور جذبات میں آ کر دشمن پر وار کرنا پڑے اور اسے بھگانا پڑے۔ یہ وہ جذبات ہیں جو عام آدمی بھی اپنے نفع نقصان کے کاموں میں اپنے مخالفین کے لیے محسوس کرتا ہے۔تو کنکریاں مارتے ہوئے یہ ہمت اور جذبہ ہو کہ باطل خیالات سے ٹکرا کر اور انھیں روند کر اور پاش پاش کر کے حق کی طرف بڑھنا ہے۔

منیٰ کے بعد حاجی میدانِ عرفات جاتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں چالیس سال گریہ وزاری کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام اکٹھے ہوئے اور ان کی معافی کا اعلان ہوا۔ یہاں حاجی کو یوں محسوس کرنا ہوتا ہے جیسے کوئی ایسا مجرم جس نے انتہائی مہربان خیر خواہ اور محسن کے بار بار احسان کے باوجود اس کی نافرمانیاں کی ہوتی ہیں اور محسن بھی ایسا جو انتہائی قوت اور قدرت والا ہو اور چاہے تو آنِ واحد میں انتقام

لے لے اور ایسا پیارا اور ایسے حسن و جمال، فضل و کمال، عطا و نوال اور عظمت و جلال والا کہ گویا اس سے لپٹ ہی لیا جائے اور اس کے قدموں میں سر رکھ دیا جائے۔ یہ جگہ گویا ان جذبات کے ساتھ حاضری کی جگہ ہے۔ اللہ والوں کی تو یہاں چیخیں نکل جاتی ہیں اور دل و جگر ٹکڑے ہو کر گویا زمینِ عرفات میں بکھر جاتے ہیں اور ایسے چمٹ کر مانگتے ہیں کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ اپنے لیے اور سب کے لیے مانگ مانگ کر رحمت سے جھولیاں بھر لیتے ہیں۔

مزدلفہ کی شب وہ شب ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے ظالموں کے بارے میں بھی دعا قبول ہوئی جو کہ عرفات میں قبول نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا اس رات کی قیمت اور برکت کا کوئی اندازہ ہی نہیں۔ دعا کے ذریعے ہیرے سونے کی کان ہے، جتنا کھودے جاؤ دامن بھرتے جاؤ۔ یا مرضی ہے تو نیند میں اور فضول بحثوں میں ضائع کر دو۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی ماں کی مامتا کے ان بے قراری کے جذبات کو لیے ہوئے ہے جو ہاجرہ علیہا السلام پر جان بلب پیاسے بچے کو دیکھ کر طاری ہوئے اور ان پر یہ مصیبت اور آزمائش اس وجہ سے آئی کہ انھیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اس علاقے میں ایک عالمی و ابدی دینی مرکز کی آبادی کے لیے تن تنہا، بے آب و دانہ چھوڑ کر چلے گئے اور یہ چھوڑنا انھیں اللہ تعالیٰ کے غیبی نظامِ ربوبیت سے پلنے کے تجربہ سے گزارنے کے لیے تھا، چنانچہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حالات آج تک کے لیے اور قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کے غیبی نظامِ پرورش کے سمجھنے اور سیکھنے کے لیے مثال ہیں۔ سعی کے دوران ان احساسات و جذبات کو طاری کرنا ہوتا ہے۔

طوافِ بیت اللہ تو گویا محبوب کے اردگرد پروانہ وار گھومنے کا ایک مجازی منظر ہے۔

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبینِ نیاز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرمِ خانہ خراب کو تیرے عفوِ بندہ نواز میں

حجرِ اسود کو اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ کہا گیا ہے۔ گویا جس نے اس کو چوما اس نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو چوما۔ حجرِ اسود کے بوسے کے وقت اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ کا تصور اور اس بات کا تصور کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہونٹ لگتے رہے، انسان پر ایک زبردست ربُودگی (ہوش وحواس اڑ جانا) کی کیفیت طاری کرتا ہے۔ ملتزم کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جس نے ملتزم پر چمٹ کر غلافِ کعبہ کو پکڑا اس نے گویا اللہ تعالیٰ کے دامن کو پکڑ لیا۔ سبحان اللہ! دامنِ رحمت اور اس گنہگار کے ہاتھ میں۔

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
ہاتھ نکلے دونوں اپنے کام کے

اس منظر پر تو بندہ نے اہل اللہ اور فقراء کو چیختے بلبلاتے اور آنسو بہاتے دیکھا ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ سبحان اللہ! یہ دولتیں اور یہ غفلت اور یہ ناقدری۔ واقعی جب یہ باتیں سامنے نہ ہوں تو حج نرا بوجھ ہی محسوس ہوگا اور جب غفلت و ناقدری سے ایسے ہی وقت کو ٹرخا دیا جائے تو حج، حجِ مبرور کب ہوا؟ اور جب حج،

حجِ مبرور نہ ہوا تو اس پر برکتیں، نعمتیں اور مسائل کا حل کیسے حاصل ہو؟

اب احکاماتِ حج کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنی ہیں۔ اس موضوع پر شروع دور سے ہی کتابیں لکھنے کا رواج رہا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ حالات بدلتے رہے ہیں۔ پرانی کتابیں تو آجکل کی مشکلات کو سامنے رکھ کر لکھی ہی نہیں گئیں۔ مزید یہ کہ کتابوں میں مستحب ترتیب کو سامنے رکھ کر مناسک اور اعمال کو بیان کیا گیا ہے جبکہ آج کل کے مشکل حالات، انسانوں کا بے پناہ ہجوم، گاڑیوں کی بھرمار، انسانوں کے قویٰ کی کمزوری اور مزاج میں صبر و برداشت کا فقدان، دینی انحطاط کی وجہ سے کسی کا خیال نہ رکھنا، مناسک کو پورا کرنے کی ترتیب میں اتنی مشکلات کا سامنے آجانا جس سے جان جانے کا حرج ہو، یہ ایسی باتیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے فرائض و واجبات کی ادائیگی مشکل بلکہ فوت ہونے کے حالات ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ مستحبات کو پورا کیا جائے۔ مستحبات کو پورا کرنے کی کوشش میں حاجی اپنے لیے اور دوسرے حاجیوں کے لیے انتہائی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں اور مستحبات کا ثواب لینے کے لیے دوسرے حاجیوں کو شدید تکلیف پہنچانے کا جرم کر کے حرام میں مبتلاء ہو جاتے ہیں، اس لیے بندہ کو اس بات پر غور کرنا پڑا کہ گزشتہ سالہا سال کے اپنے تجربہ اور اپنے کثرت سے حج کرنے والے ساتھیوں کے تجربے کی روشنی میں ایسے مشورے بہم پہنچائے جائیں جن کی روشنی میں مناسک کے فرائض و واجبات فوت ہونے سے بچ جائیں اور اپنی جان اور دوسرے افراد کے شدید حرج میں مبتلاء ہونے سے حفاظت ہو جائے۔

سب سے پہلا مشورہ اس کوتاہی کے بارے میں ہے کہ عام طور پر فریضۂ حج کے بارے میں یہ سوچا جاتا ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں ادا کریں گے حالانکہ بلوغ،

عقل، اسلام، صحت، مالی استطاعت اور راستے کا امن، یہ شرائط اگر موجود ہوں تو بلا وجہ تاخیر انتہائی محرومی اور کم نصیبی کی بات ہے۔ بڑھاپے میں حج پر جانے والے افراد اپنے لیے اور دوسروں کے لیے پریشانی کا ذریعہ بنتے ہیں اس لیے فرض ہوتے ہی صحت مند حالت میں فوراً حج کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہیئے۔

سفر مکمل کر کے جب آدمی مکہ مکرمہ پہنچتا ہے تو انتہائی تھکاوٹ ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی فوری طور پر بیت اللہ شریف پر پہنچنے کا جذبہ وشوق ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بات کا خیال نہ کرتے ہوئے کہ ٹھکانے تک پہنچ کر، سامان صحیح طور سے سنبھال کر اور کم از کم اتنا آرام کر کے جس سے ہوش وحواس ٹھکانے ہو جائیں، فوراً حرم شریف پہنچ جاتے ہیں۔ نہ اپنا کارڈ ساتھ لیے ہوئے ہوتے ہیں، نہ معلم کا کارڈ ہوتا ہے اور نہ عمارت کا کارڈ ہوتا ہے۔ اتنے وسیع وعریض علاقے میں جہاں گلیاں ہی گلیاں، سڑکیں ہی سڑکیں اور عمارتیں ہی عمارتیں ہوتی ہیں واپس ہونے پر آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل گمشدہ (Disoriented) ہے۔ کئی لوگوں کو دو، دو تین، تین دن اس حالت میں گزارنے پڑتے ہیں، پیسے نہ ہونے کی وجہ سے کھانے پینے کا بھی مسئلہ بنا ہوتا ہے اور اشد تکلیف میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔ عمارت اور معلم کے کارڈوں کو لے کر، دو تین وقت کے کھانے کے پیسے اپنے پاس رکھتے ہوئے، علاقے کا پورا اتا پتا معلوم کر کے اپنے سمجھدار ساتھیوں کے ساتھ جانا آنا ہو تو آدمی مذکورہ بالا تکالیف سے بچ جاتا ہے۔

منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں بھی اپنے معلم کی بس، اپنے ساتھی، اپنا خیموں کا احاطہ، ان سب چیزوں کی سخت پابندی کرنی ہوتی ہے۔ یہاں پر منیٰ وعرفات کے خیموں کے علیحدہ کارڈ ہوتے ہیں جو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے ہوتے ہیں۔ اگر بلا وجہ آدمی اِدھر

اُدھر نکلا تو یہاں پر بھی گم ہو جانے کا انتہائی خطرہ ہوتا ہے۔ نمازیں بھی اپنے خیموں میں جو جماعتیں ہو رہی ہوں وہیں پڑھنی چاہئیں۔ مسجدِ نمرہ اور مسجدِ خیف تک پہنچنے کی کوشش میں انتہائی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

اشد مشکلات منیٰ میں رمی یعنی شیطانوں کو کنکر مارنے اور حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے وقت پیش آتی ہیں۔ حجرِ اسود کے بارے میں تو یہ عرض ہے کہ جب رش کے وقت میں صرف ہاتھوں کا اشارہ کر کے ان کو چوم لینا حجرِ اسود کو بوسہ دینے کا قائم مقام بنایا گیا ہے تو ایسے وقت میں بالکل پریشان نہیں ہونا چاہئے کہ ہم نے حجرِ اسود کو بوسہ نہیں دیا کیونکہ اشارے سے ہی پورا ثواب اور پوری برکات حاصل ہو جاتی ہیں۔

مشکل ترین بات دس ذوالحجہ کی رمی ہے۔ اس کے بارے میں ترتیب یہ ہے کہ طلوعِ فجر سے لیکر زوال تک مستحب وقت ہے، زوال سے لیکر مغرب تک جائز وقت ہے اور مغرب سے گیارہ ذی الحجہ کی طلوعِ فجر تک مردوں کے لیے مکروہ وقت ہے جبکہ عورتوں کے لیے مکروہ نہیں۔ آجکل کے مشکل حالات کی بناء پر مردوں کے لیے بھی اگر دن کو اشد تکلیف ہونے کا خطرہ ہو تو رات کے وقت کنکریاں مارنے کی گنجائش نکل آتی ہے۔ اس کے بارے میں بندہ کے ساتھیوں کا اور خاص طور سے حاجی عبدالمنان صاحب (خلیفہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ، مقیم مکۃ المکرّمہ) کا تجربہ یہ ہے کہ اگر مزدلفہ کا وقوف ایسی جگہ کیا جائے کہ جہاں مزدلفہ کی آخری حد ہو اور منیٰ شروع ہو رہا ہو تو صبح کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر مزدلفہ کا وقوف کر کے اگر آدمی چل پڑے تو پیدل ایسے وقت میں بڑے شیطان تک پہنچ جاتا ہے کہ عام لوگ نہیں پہنچے ہوئے ہوتے، یوں یہ رمی آسانی سے ہو جاتی ہے۔ اگر مزدلفہ کے وقوف کے بعد سواری مل جائے تو اور جلدی پہنچا سکتی ہے۔ اگر

آدمی نو بجے سے پہلے پہلے فارغ ہو کر نکل نہ سکا تو نو تا ساڑھے بارہ انتہائی زیادہ رش ہوتا ہے، پھر بہتر یہ ہے کہ عصر کے بعد یا مغرب کے بعد بلکہ آدھی رات کو یا بعد میں جا کر رمی کرے۔ رش کے وقت میں علاوہ تکالیف کے اس بات کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ باوجود کنکریاں مارنے کے وہ صحیح جگہ تک نہ پہنچیں اور رمی ادا ہی نہ ہو۔ اس لیے مستحبات کے حصول اور مکروہات سے بچنے سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ عمل کم از کم ادا تو ہو جائے۔ اگر مستحبات کے حصول میں عمل کی ادائیگی متاثر ہو جائے تو دم واجب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

ایک ضروری بات قابلِ غور یہ ہے کہ حاجی صاحبان نوافل اعمال میں اپنے آپ کو اتنی مشقت میں ڈال دیتے ہیں کہ بیمار پڑ جاتے ہیں نیز غارِ ثور اور غارِ حرا وغیرہ پر چڑھنے میں اتنی مشقت اٹھا لیتے ہیں کہ بیمار پڑ جاتے ہیں اور بیماری کی وجہ سے حج متاثر ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھی بہت زیادہ تکلیف میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے مشورہ یہ ہے کہ حج سے پہلے اپنے آپ کو آرام و راحت سے رکھ کر توانائی حج کے لیے محفوظ کرنی چاہیے۔ حج مکمل ہونے کے بعد حسبِ توفیق مندرجہ بالا ساری باتیں کرنی چاہئیں۔

عام طور پر حاجی صاحبان جاتے ہی مختلف چیزوں کی خریداری کے لیے بازاروں کے چکر لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی مجالس میں عام طور پر چیزوں کے نرخوں کا ہی تذکرہ چلتا رہتا ہے، ذہن اسی فکر میں مبتلاء ہو کر عبادت کے لیے یکسو نہیں رہتا۔ اس لیے خریداری وغیرہ کو سفر کے آخری دو ایک دنوں میں کرنا چاہیے۔

اس مضمون کو مکمل کرنے کے بعد مختلف حضرات سے پڑھوا کر ان کی رائے لی گئی۔ پروفیسر مظفر صاحب نے، جو بندہ کے ساتھیوں کے ساتھ ۱۴۲۴ھ بمطابق ۲۰۰۴ء

کے حج میں شامل تھے، بہت کارآمد تجویز پیش کی کہ حج پر جانے والے کوکوشش کرنی چاہئے کہ دیندار اور فکرِ آخرت سے سرشار لوگوں کے ساتھ حج کرے۔ نیز انھوں نے کہا کہ علاوہ مناسکِ حج، ذکر وعبادت اور تلاوت کے ہماری مجلس میں جو فضائلِ حج (حضرت مولانا زکریا صاحبؒ) کی تعلیم ہوتی رہی اور مناسکِ حج کا بار بار مذاکرہ ہوتا رہا اس سے بہت جذبات بنے اور صحیح طریقے سے حج کرنے کی توفیق ہوئی۔ مزید جس بات کی طرف ساتھیوں نے نشاندہی کی وہ جدید اور ملحد طبقے کے اعتراضات ہیں جو وہ حج اور قربانی پر کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حج اور قربانی پر جتنا خرچہ ہوتا ہے وہ بجائے اس کے غرباء میں تقسیم ہونا چاہئے۔ سطحی طور پر ان کو اپنی دلیل میں بڑا وزن نظر آتا ہے اور دین نیز تہذیب وثقافت، عمرانیات اور قوموں کے عروج وزوال کے بارے میں جن لوگوں کو گہری نظر حاصل نہ ہو اور ناتجربہ کار ہوں وہ ایسی چیزوں سے بڑے متاثر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ سعودی عرب کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے ایک شیخ صاحب کے صاحبزادے مغربی دنیا سے جدید ڈاکٹری کی بڑی ڈگری لے کر آئے، ان کے والد صاحب نے پوچھا کہ وہ اپنے جدید علم کی روشنی میں ملک وقوم کی خدمت کس طریقے سے کریں گے، انھوں نے جواب میں کہا کہ حج کے موقع پر ساری دنیا کے لوگ اپنی بیماریاں اور جراثیم لے کر یہاں آجاتے ہیں، سعودی عرب کی صحت کی حالت تو تب درست ہوگی جب کہ حج بند کر دیا جائے۔

ان بھلے لوگوں سے پوچھا جائے کہ کیا اخراجات اور اجتماعات کی صرف یہی دو صورتیں ہیں جن سے قوم کو مال اور صحت کا (خدانخواستہ) نقصان ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کئی جگہیں ایسی ہیں کہ جن پر اتنا بے دریغ خرچ ہوتا ہے اور اتنی زیادہ جانی مشقت ہوتی

ہے کہ حج اور قربانی کے اخراجات اور مشقتیں ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ سیاسی لوگوں کا گرمی سردی سے بے نیاز ہو کر عوام کے جمِ غفیر کو جلسوں میں جمع کرنا، گھنٹوں گھنٹوں کھڑے کھڑے انہیں اوٹ پٹانگ تقریریں سنانا، ہلڑ بازی اور نعرے بازی سے گلے پھاڑنا اور جو بیوقوف دیہاتی صرف بسوں کا لطف اٹھانے کے لیے آئے ہوں ان کا بھوک پیاس کا شکار ہو کر بیمار پڑ جانا کیا کچھ کم مشقت ہے؟ چودہ اگست کو یومِ آزادی منانے پر کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں، کوئی نہیں کہتا کہ اس کی بجائے یہ پیسے غریبوں کو دے دیے جائیں کیونکہ اس خرچے کے نتیجے میں قوم میں وطن کی محبت کا ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ جذبہ اس مادی خرچ کے مقابلے میں کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ ایسے ہی حج کے اخراجات مسلمان کی شخصیت کے سنوارنے، اس میں تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا کرنے میں جو کردار ادا کر رہے ہیں وہ اس معنوی اور روحانی فائدے کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔

ایسے ہی لڑکپنے کی شرارتوں میں نوعمر لڑکوں کا ایک ٹائر پر سائیکل اور موٹر سائیکل چلاتے ہوئے کئی ایک کا موت سے ہمکنار ہو جانا، بسنت کی پتنگ بازی کی تیز ڈوری سے حلق کٹ کر اور مکانوں کی چھتوں سے گر کر اور چوراہوں میں گاڑیوں کے نیچے آ کر شہیدِ بسنت ہو جانا کیا کوئی کم مشقت ہے؟ کیا کسی نے سوچا کہ ان چیزوں پر جو اربوں روپے کے اخراجات اٹھ رہے ہیں وہ کسی غریب مسکین کا چولہا جلنے کے لیے دے دیے جاتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اس سے آگے بڑھیں، نام نہاد سیاسی طبقہ جو سیاست اور حصولِ حکومت کو بطورِ پیشہ اختیار کیے ہوئے ہے اور ملکی وسائل کی لوٹ مار کر کے اس کو دشمنوں کے بینکوں میں پہنچا کر کفار کو مسلمانوں پر بمباری کے لیے چندہ فراہم کر رہا ہے، کیا کبھی

اس پیسے کو بھی غریب لوگوں کو دینے کے بارے میں سوچا گیا؟

اب قربانی کے عمل کو لیجئے۔ اس کے لیے سارا سال دیہاتی علاقوں میں کسان اور زمیندار مویشی پالتے ہیں کیونکہ عید قربان کے موقع پر انھیں اچھی قیمت ملنے کی امید ہوتی ہے۔ معیشت کے مشہور اصول طلب و رسد (Demand and Supply) کی وجہ سے ہی گلہ بانی کا پیشہ ترقی کرتا ہے اور روزی محنت کے اصول کے تحت شہروں سے دیہات کو منتقل ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں دیہات والوں کو بھی روٹی کا لقمہ نصیب ہوتا ہے۔ اگر یہ کشش نہ رہے تو یہ پیشہ حوصلہ شکنی کی وجہ سے ختم ہو جائے گا اور گوشت کے لیے بھی یہودیوں کی کمپنیوں کا مال امپورٹ کر کے کروڑوں روپے کا زرِ مبادلہ خراب کرنا پڑے گا۔ بقرعید کے دن کئی غرباء بصورت قصاب مسجدوں اور عیدگاہوں کے آگے منتظر ہوتے ہیں اور قربانی کا عمل ان کی روزی کا ذریعہ بنتا ہے۔ قربانی کی کھالیں کئی خیراتی اداروں کے چلنے کا ذریعہ ہیں۔ بقرعید کے دن ہی وہ دن ہوتے ہیں جب غرباء اور مساکین پیٹ بھر کر مفت گوشت کھاتے ہیں اور فریج اور ڈیپ فریز والوں کو مہینوں صحت مند معیاری اور صحیح طریقے سے ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت ملتا ہے۔ ہائے افسوس کہ بیوقوف نام نہاد دانشوروں کی نگاہ ان معاشی اور معاشرتی فوائد کی طرف نہیں جاتی۔ یہ دراصل یہود و نصاریٰ کا چلایا ہوا پراپیگنڈہ ہے جسے سادہ لوح مسلمان ان کے معصوم نمائندہ (Innocent Agent) کی طرح آگے چلا رہا ہے اور بڑھا رہا ہے۔

قربانی کے نظریاتی فوائد کی طرف آئیں تو جس دن سے جانور خریدا جاتا ہے اسی دن سے گھر، حجرہ، مسجد، گلی کوچہ، چوپال سب جگہوں پر ایک کلاس شروع ہو جاتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے امی ابو سے اور دادا جان سے سوالات شروع کر دیتے ہیں کہ

قربانی کیا ہے؟ ہم جانور کیوں ذبح کرتے ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام کون تھے؟ اسماعیل علیہ السلام کون تھے؟ اللہ تعالیٰ کے امر اور باپ کی اطاعت میں انہوں نے کیوں اپنے آپ کو ذبح کے لیے پیش کیا؟ تو اس طریقے سے قربانی کا وہ جذبہ جو قوموں کی تشکیل اور بڑھوتری کا ذریعہ بنتا ہے پورے معاشرے میں اس کا چرچا ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں قربانی کا عظیم مقصد اور اطاعتِ والدین کا سنہری اصول سامنے آتا ہے۔ سمجھدار اور زندہ قومیں عظیم تر مقاصد کے جذبات کو زندہ کرنے کے لیے مالی قربانیاں دیا کرتی ہیں کیونکہ مال کی ان جذبات کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

ایک بڑا اعتراض منیٰ کی قربانیوں پر ہوتا تھا کہ ان کا گوشت ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے سعودی حکومت نے مناسب منصوبہ بندی کر کے اس گوشت کو محفوظ کر کے کئی غریب ممالک، افغان مہاجرین اور دوسرے فاقہ زدہ لوگوں تک پہنچایا۔ چنانچہ اس طریقہ سے ایک صحت مند سوچ، مناسب محنت اور ایک دینی عمل کے نتیجے میں خیر، خیرات کی شکل میں قربانی کے وسائل تقسیم ہوئے جبکہ اس کے مقابلے میں نام نہاد دانشور بغیر محنت کے بھیک کی شکل میں اسے تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور معاشرے میں بھیک مانگنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

حج کے اخراجات کو لیجئے۔ احرام خریدنے سے لیکر مقامی گاڑیوں اور رکشوں کے کرایوں کو شمار کرتے ہوئے پی۔آئی۔اے (پاکستانی ہوائی جہاز رانی کی کمپنی) کے ٹکٹوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حاجی کا پیسہ صحت مند معاشی محنت کے تحت پاکستان میں تقسیم ہوتا ہے۔ سعودی عرب ائرلائن اور پاکستان انٹرنیشنل ائرلائن کو حج فلائٹیں اتنا کندھا (Support) دیتی ہیں کہ ان کے پورے سال کے خسارے پورے ہو جاتے ہیں اور اس

طریقے سے یہ دوا ئر لائنیں سارا سال کارکردگی کر کے فوائد دینے کے لیے کارآمد رہتی ہیں۔ سعودی عرب پہنچ کر حج کے معلّموں کی فیس، بازاروں میں کھانا پینا، دوسری ضروریات کو پورا کرنا، واپس آتے ہوئے وہاں کے بازاروں کی سستی چیزیں اپنے لیے خریدنا، یہ ایک منظّم تجارتی عمل کو زندہ کیے ہوئے ہے جس کا فائدہ پوری دنیائے اسلام کے افراد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی منڈیوں سے اٹھا رہے ہیں۔

حج کا اجتماع عبادت، توبہ، گناہوں کی معافی، اپنے پیدا کرنے والی ذاتِ ذوالجلال کا قرب اور اس کے نتیجے میں زندگیاں بدل کر اصلاح ہو جانا اور حج کے بعد کئی حضرات کا ایک نئی صلاح وفلاح والی زندگی پر آکر اپنے لیے، دنیائے اسلام کے لیے بلکہ عالمِ انسانیت کے لیے خیر اور رحمت کا ذریعہ بن جانا اتنا بڑا کارنامہ (Achievement) ہے جس پر ہزاروں لاکھوں روپے قربان ہو جانا بہت تھوڑا ہے۔

بندہ کو نفسیاتی بیماروں (Psychiatric Patients) کی رہنمائی (Counselling) کے سلسلے میں اس بات کا تجربہ ہوا کہ جن لوگوں کی بیماری احساسِ گناہ (Sense of Guilt) کی وجہ سے تھی جب ان سے توبہ کرائی گئی اور انھیں حوصلہ (Reassurance) دلایا گیا اور اللہ تعالیٰ کی معافی اور رحمت کا تذکرہ کیا گیا تو یہ مریض ایسے عجیب انداز میں صحت یاب ہوئے کہ ان کے معالجین (Psychiatrists) حیران رہ گئے۔ ایک ماہر معالج نے بندہ سے کہا کہ ''ڈاکٹر صاحب ایسا کوئی دن مقرر کریں جس میں بہت سارے لوگوں کو جمع کریں اور آپ کے مخصوص طریقے پر توبہ تائب کرائیں، اس کی وجہ سے کئی نفسیاتی بیماروں کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔'' بفضلہٖ تعالیٰ حج کی صورت میں امتِ مسلمہ کو یہ بات تھوڑا سا خرچ کرنے کے بعد حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ عام لوگوں کا تجربہ ہے اور جن کا تجربہ نہیں ہے وہ حج اور عمرہ کے دوران اس بات پر خاص طور سے دھیان دیں کہ طواف، سعی، قیامِ منیٰ، وقوفِ عرفات، ساری جگہوں پر ایسا آدمی کم ملے گا جس کے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے حالات ہوں۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کے قرب، مقدس مقامات کی برکات، عبادت کے ذوق وشوق اور خدمتِ خلق کے مزوں سے لطف اندوز ہو رہی ہوتی ہے۔ ان سب چیزوں کے علاوہ سیر وتفریح تو بغیر نیت کیے مفت میں حاصل ہوتی ہے۔

یہ اجتماع ہر سال مسلمانوں کی قوت وشوکت، یکجہتی اور دبدبہ کا مظہر ہوتا ہے اور سارا سال کفار کی امت کو ٹکڑے ٹکرے کرنے کی کوششوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ کیا اتنے فوائد حاصل کرنے کے لیے تھوڑا سا مال نہیں خرچ کرنا چاہیے؟

اب آیئے اس سعودی شیخ کے بیٹے کی رائے کی طرف کہ مسلمان ساری دنیا کے جراثیم یہاں لاکر ڈال دیتے ہیں جس کے نتیجے میں بیماریاں پھیلتی ہیں۔ اگر اس نتھو خیرے نے اپنی میڈیکل سائنس کو ہی گہری نظر سے پڑھا ہوتا تو اس کو پتہ چلتا کہ جب انسان ایک گروہ کی شکل میں باہم اکٹھے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کا جھوٹا استعمال کرتے ہیں، ان کا سانس ایک دوسرے پر لگتا ہے، تو اس کے نتیجے میں تھوڑے تھوڑے بیماری کے اثرات سب پر آتے ہیں، ان اثرات سے وہ مکمل بیمار تو نہیں ہوتے لیکن ان کے اندر ان بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت پیدا ہو جاتی ہے جسے حفاظتی طب (Preventive Medicine) کے شعبہ والے گروہی مدافعت (Herd Immunity) کہتے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ گروہی مدافعت امتِ مسلمہ میں اہلِ کفر کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ کوئی بھی ماہرِ تحقیق (Research Worker) تحقیق کر کے اور عالمی اعداد وشمار جمع کر کے اس بات

کو ثابت کر سکتا ہے۔

آخر میں ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلانی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کر کے حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرتا ہے، احرام سے نکلنے کے لیے سر منڈانا ضروری ہوتا ہے، جس کے بعد آدمی احرام سے نکلتا ہے۔ حضور ﷺ نے ہمیشہ سر پر بال رکھے لیکن حج اور عمرہ کے موقع پر آپ ﷺ نے بھی حلق (سر منڈانا) کیا ہے۔ آیت میں بھی سر منڈانے کو پہلے کہا گیا ہے اور بال کتروانے کا دوسرے نمبر پر کہا گیا ہے، بہر حال کوئی عذر اور تکلیف ہو تو حلق کے بجائے قصر (بال کتروانا) بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس میں ضروری ہے کہ پورے سر سے انگلی کے ایک پورے یعنی تقریباً ایک انچ بال کتروائے جائیں۔ وہاں کے ماحول میں ساری دنیا کے لوگ جمع ہوتے ہیں، ہر فقہ کے لوگ ہوتے ہیں، کچھ لوگ تو نئے نظریات لے کر فقہائے عظام سے آزاد ہی ہو گئے ہیں، چنانچہ قینچی سے سر کے چند بال کاٹ کر آدمی کو احرام سے فارغ کر دیتے ہیں حالانکہ اس طرح وہ احرام سے فارغ نہیں ہوتا بلکہ اس وجہ سے اس پر ایک بکرا ذبح کرنے کا جرمانہ (دَم) واجب ہو جاتا ہے۔ کئی لوگ محض فیشن کے طور پر اپنے بالوں کو بچانے کے لیے اس طرح کی حرکتیں کر لیتے ہیں اور اتنی بڑی خیر اور کارنامے کو فیشن کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں جس کی وجہ سے حج و عمرہ ناقص ہو جاتے ہیں۔ دراصل حج اور عمرہ میں جہاں جان، مال اور وقت کی قربانی ہے وہاں جذبات کی بھی قربانی ہے اور سب سے بڑا جذبہ جسے قربان کرنا ہے فیشن ہے، اس جذبہ کو قربان کرنے کے بغیر حج مکمل نہیں ہوتا۔

☆☆☆☆☆

مبارک ہو آپ کا حج مکمل ہوا۔ اب حج کے بعد اُس ہستی کی طرف جانا ہے جس کی وجہ سے ساری کائنات کو پیدا کیا گیا،

آپ اگر مقصود نہ ہوتے کون ومکاں موجود نہ ہوتے
اور مسجود نہ ہوتے آدمؑ ، صلی اللہ علیہ وسلم

اور جس کے ذریعے یہ حج جیسے مبارک اعمال ہمیں ملے، اور جن کے بارے میں خود ذاتِ ذوالجلال نے قرآن میں فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (الانبیاء:۱۰۷)

(ترجمہ) اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کے جہان کے لوگوں پر۔ (تفسیرِ عثمانی)

اور فرمایا:

اِنَّ اللّٰـهَ وَ مَلٰٓـئِکَتَهٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡهِ وَسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا (الاحزاب:۵۶)

(ترجمہ) بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر، اے ایمان والو! رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر۔ (تفسیرِ عثمانی)

اور فرمایا:

لَقَدۡ جَآءَ کُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِـالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ○ فَـاِنۡ تَـوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَؕ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ. (سورۃ توبہ: ۱۲۸.۱۲۹)

(ترجمہ) آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں کا، بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے، حریص ہے تمہاری بھلائی پر، ایمان والوں پر نہایت شفیق، مہربان ہے۔ پھر بھی اگر منہ پھیریں تو کہہ دے کہ کافی ہے مجھ کو اللہ، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، اسی پر بھروسہ کیا اور وہی مالک ہے عرشِ عظیم کا۔ (تفسیر عثمانی)

امت کی تکالیف سے آپ کو تکلیف ہونا، یہ بات تو کافر اور مسلمان دونوں کے لئے ہے کیونکہ آپ کی امت دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے، امتِ دعوت، جو کہ کفار ہیں اور امتِ اجابت، جو کہ مسلمان ہیں اور مؤمنین کے لئے تو آپ خاص طور سے نرم اور مہربان ہیں۔ قرآن پاک آپ کی زبان سے یہ گلہ کر رہا ہے کہ ایسے رسول ﷺ سے جو کوئی روگردانی کرے تو رسول ﷺ کے لئے تو اس کا اللہ کافی ہے، ان کو تو امت کی ضرورت نہیں ہے، امت کو ان کی ضرورت ہے۔

ان کے پاس حاضری کے بارے میں قرآن میں فرمایا گیا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآئُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَلَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (سورۃ النسآء: ۶۴)

(ترجمہ) اور اگر وہ لوگ جس وقت انھوں نے اپنا بُرا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کو بخشواتا تو البتہ اللہ کو پاتے معاف کرنے والا مہربان۔ (تفسیرِ عثمانی)

یہ ۱۹۷۵ء کا واقعہ ہے کہ بندہ کو اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ کے مدرسہ صولتیہ کے مہتمم جناب مولانا سلیم صاحب کے پاس بھیجا کہ حضرتؒ کی ڈاک وصول کروں۔ بندہ ان کے کمرے میں گیا۔ وہاں گنبدِ

خضرا کی تصویر تھی اور نیچے یہ شعر لکھا ہوا تھا ؎

ادب گاہ ایست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آیند مسیحاؑ و کلیمؑ ایں جا

(ترجمہ) آسمان کے نیچے ایک جگہ ادب کرنے کی ہے جو کہ عرش سے

بھی زیادہ نازک جگہ ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں عیسیٰؑ اور موسیٰؑ کلیم اللہ

اپنی ہستی کو گم کر کے آتے ہیں۔

اصل شعر میں تو ''نفس گم کردہ می آیند جنید و بایزید ایں جا'' ہے لیکن سلیم صاحب نے جنید و بایزید کی جگہ عیسیٰ اور موسیٰ علیہم السلام لکھا تھا۔ واقعی سچ بات یہ ہے کہ ؎

ہم سب کا رُخ سوئے کعبہ، کعبے کا رُخ سوئے محمد

بیت اللہ ہم سب کا کعبہ، کعبے کا کعبہ روئے محمد

چاروں اماموں کا متفقہ مذہب ہے کہ جو مٹی آپ ﷺ کے بدن مبارک کو چھو رہی ہے وہ کعبہ بلکہ عرش و کرسی سے زیادہ افضل ہے۔ (بحوالہ فضائلِ حج از حضرت شیخ مولانا زکریا رحمتہ اللہ علیہ) چاروں اماموں کا، خاص طور سے اکابرِ دیوبند کا مذہب ہے کہ حضور ﷺ قبرِ اطہر میں دنیاوی زندگی سے زیادہ قوی زندگی کے ساتھ جلوہ افروز ہیں، آنے والوں پر نظرِ عنایت فرماتے ہیں، ان کے سلام کو سنتے ہیں اور سن کر جواب عطا فرماتے ہیں۔ فقہ مالکی کا یہ فتویٰ ہے کہ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔ اگرچہ طواف، سعی اور حج، عمرہ کی سعادتیں مکہ مکرمہ کے باہر حاصل نہیں ہوسکتی ہیں لیکن صحبتِ رسول ﷺ تو مدینہ منورہ میں ہی ہے۔

اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب

گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمو

فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے

عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

اقبال نے ہی کہا ہے ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات جو اس امت پر ہیں وہ تو حساب و شمار سے باہر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف میں پتھر کھا کر لہولہان ہونا، شعبِ ابی طالب میں تین سال ایسے حال میں نظر بند رہنا کہ مکمل بائیکاٹ، بھوک پیاس کے مارے چھوٹے بچوں کا چیخنا چلانا، پھر مدینہ منورہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین کے گھروں پر چولہا نہ جلنا اور فقط کھجور کھا کر وقت گزارنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں کو ابولہب کے بیٹوں کی طرف سے طلاق ملنا، بڑی بیٹی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ہجرت کے سفر میں حملہ ہونا اور حالتِ حمل میں برچھا کھا کر اونٹ سے گرنا، بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر فاقے اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کا دودھ پینے کے دوران فاقے میں مبتلا ہونا کیونکہ والدہ کا مارے بھوک کے دودھ ہی نہ تھا، کیا یہ تکالیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دین کے لئے اور اس امت

کے لئے برداشت نہیں کیں؟ کیا آپ ﷺ مکہ کی آدھی مالیت کی مالکہ تاجر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند نہیں تھے؟ کیا آپ ﷺ اس مال سے امیرانہ اور شاہانہ زندگی نہیں گزار سکتے تھے؟ کیا ان سب چیزوں کو چھوڑ کر فقر، تکالیف، مشکلات اور کفار کی طرف سے جنگوں میں مبتلا ہونا آپ ﷺ نے قبول نہیں کیا؟ اس ہستی کے احسانات تو حد وشمار سے باہر ہیں۔ پھر کیا ان سے محبت نہ کی جائے؟ محبت بھی ایسی کہ اس کا جواب آپ ﷺ سو گنا زیادہ محبت سے دیتے ہیں۔

وہ ذاتِ مقدس خود جویائے محبت ہے
پھر دیکھ تو لے کر کے ان سے کوئی یارانہ

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ مرض الوفات میں جب کہ آپ ﷺ کا نماز میں نکلنا بند ہو گیا اور آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو جماعت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کے لئے حجرے کا پردہ اٹھوایا، تو صحابۂ کرام فرماتے ہیں کہ اس نظارے سے تو یہ حال ہو گیا کہ قریب تھا کہ ہم نماز توڑ کر حضور ﷺ کی طرف دوڑ پڑیں اور آپ ﷺ سے جا کر لپٹ جائیں لیکن تھے پھر آخر صحابہ۔ اتنے شدید جذبے کی موج زنی کے باوجود توحید کے حق کو مقدم کیا اور نماز کو پورا کر کے آپ ﷺ کی تعلیمات کے تقاضے کو پورا کر کے دونوں حقوق کا نباہ کر کے دکھایا۔

دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے

زیارتِ مدینہ کے بارے میں بعض کا واجب اور جمہور کا سنت مؤکدہ ہونے کا فتویٰ ہے۔ چند ناقابلِ ذکر لوگوں کا کہنا ہے کہ صرف مسجد کی نیت کرنی چاہئے، قبر شریف

کی نیت نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے ثبوت میں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ نہ سفر کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف، مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ بیت المقدس۔ لیکن اگر اس حدیث شریف کا یہ معنی لیا جائے تو پھر تو ان تینوں مسجدوں کے علاوہ سارے سفر ناجائز ہو گئے۔ سفرِ حج، تجارتی سفر، ملازمت کے لئے سفر، علاج کے لئے سفر، سب ناجائز ہو گئے۔ اس حدیث میں ان تین مسجدوں کے علاوہ باقی مساجد کی طرف عبادت کی نیت سے سفر جائز نہیں، جیسا کہ ہندوستان میں جمعۃ الوداع کی نماز کے لئے دہلی کی جامع مسجد کا سفر کرتے ہیں۔

صحابہٗ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے زمانے میں قبر شریف کی زیارت کرتے تھے۔ چنانچہ جب بیت المقدس کے سفر میں مشہور عالم کعب احبارؓ مسلمان ہوئے تو انہیں حضرت عمرؓ مدینہ منورہ ساتھ لائے اور ان سے قبر شریف کی زیارت کی نیت کروائی۔ فضائلِ حج میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے یہ حدیث لکھی ہے کہ جس نے حج کے ساتھ زیارتِ مدینہ بھی کی اس کو دو حج کا ثواب ملے گا۔

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کا ہر ہر ذرہ، ہر ہر جگہ، ہر ہر گلی اور کوچہ مقدس و معظم ہے۔ پہلے بزرگ تو بغیر جوتوں کے یہاں چلے پھرے ہیں اور بعض نے قضائے حاجت تک یہاں گوارہ نہیں کی۔

خیر ہم اتنا سمجھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روضہ شریف میں تشریف فرما ہیں اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفید ہو رہے ہیں۔ جو انوارات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہے ہیں ان کا فیضان ہمارے قلب پر آرہا ہے۔ ہر نماز کے بعد ایک دفعہ حاضری ضرور کریں اور ۷۰ مرتبہ اَلصَّلٰوۃُ اَلسَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللہ یا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَ

بَرَکَاتُہٗ پڑھیں اور دعا مانگیں۔ یہ دعا کی قبولیت کا انتہائی اہم مقام ہے۔

صفہ کے چبوترے پر بیٹھے ہوئے اصحابِ صفہ کے فقر و فاقہ اور علم حاصل کرنے کے لئے ذوق و شوق کو دھیان میں لائیں۔ استوانۂ حرس یا استوانۂ علیؓ کے پاس دو رکعات پڑھیں اور دھیان کریں کہ یہاں حضرت علیؓ اور کبھی دوسرے صحابہؓ تلوار لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے بیٹھتے تھے کہ اپنی جان پر کھیل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچائیں گے۔ ایسے جذبات کی نیت کریں کہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر پردہ فرما ہیں تو ہمارے یہ جذبات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لئے ہونے چاہئیں۔ استوانۂ توبہ کے پاس دو رکعات پڑھ کر ایسے توبہ تائب ہوں کہ جیسے وہ صحابیؓ ہوئے تھے جنھوں نے اپنے آپ کو باندھ لیا تھا۔ استوانۂ سریر پر جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتکاف ہوتا تھا وہاں دو رکعات پڑھ کر ان رحمتوں کا تصور کریں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دورانِ اعتکاف نازل ہوئی ہیں۔ استوانۂ وفود کے پاس اسلام قبول کرنے والے وفود آ کر بیٹھتے تھے لہٰذا یہ جگہ قبول اسلام کے انوارات سے معمور ہے۔ یہاں دو رکعات پڑھ کر ان رحمتوں سے فیضیاب ہونے کا مراقبہ کریں۔ محراب النبی جہاں کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی بہت زیادہ نزولِ انوار کا موقع و محل ہے، وہاں دو رکعات پڑھیں۔

استوانۂ عائشہؓ کے بارے میں تو حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ اس جگہ کا میں پتا بتا دوں تو لوگ یہاں جگہ لینے کے لئے قرعہ اندازی شروع کر دیں گے۔ آخر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو یہ جگہ بتائی۔ یہاں دو رکعات پڑھیں۔ استوانۂ حنانہ وہ ستون ہے کہ یہاں ایک خشک کھجور کا تنا کھڑا تھا۔ اس سے ٹیک لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب منبر بن گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے تو اس ستون نے رونا شروع

کیا اور اس سے ایسی آوازیں آتی تھیں جیسے اونٹنی کا بچہ روتا اور بلبلاتا ہے۔ صحابہؓ نے اس منظر کو دیکھا۔ آپ ﷺ منبر سے اترے، اس پر ہاتھ رکھا، تب اس کا رونا بند ہوا۔ اس ستون کے ساتھ ایک غیر جاندار مخلوق کے عشق و محبت کے جذبات کی داستان متعلق ہے۔ اس محبت کا تو اپنے سے زیادہ مطالبہ ہے۔ یہاں دو رکعات پڑھ کر ان جذبات کا مراقبہ کریں۔ جنت البقیع، شہدائے احد، مسجدِ قبا، مسجد قبلتین اور دیگر زیارات سے مستفید ہوں۔ ہائے شاید سفر ایک بار ہی ہو۔

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

(ترجمہ) افسوس آنکھ جھپکنے میں دوست کی مجلس ختم ہوگئی،
پھول کا چہرہ سیر ہو کر نہ دیکھا اور بہار ختم ہوگئی۔

یا اللہ! یہ سعادت ہم سب کو بار بار نصیب فرما۔ (آمین)

☆☆☆☆☆

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم

کی تازہ تصنیف

انسان گوشت پوست نہیں

کا نام ہے

روح، قلب، عقل، نفس پر جدید تحقیقی صوفیانہ وسائنسی بحث

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ کی دیگر تصانیف

اصلاحِ نفس: تصوف کا تعارف اور سلاسلِ تصوف کی تربیتی ترتیب پر اصلاحِ نفس کی دعوت دینے والی کتاب

مردِ درویش: حضرت ڈاکٹر صاحب کے پیرومرشد
حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کی سوانح حیات پر مشتمل ایک دلکش اور پُر تاثیر کتاب

نوائے درویش: حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے
اصلاحی بیانات، مرتب کردہ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ